(72)

دُعاؤں کے دن

(فرمودہ ۶، فروری ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مَیں نے پچھلے جمعہ بیان کیا تھا کہ ایک ضروری امر کے متعلق آئندہ کچھ بیان کروں گا، لیکن اس دفعہ پھر کچھ دیر ہوگئی۔ کیونکہ ایک اہم کام کے مشورہ کے لیے دیر تک بیٹھنا پڑا۔ اس لیے آج بھی میں خُطبہ زیادہ دیر تک نہیں بیان کرسکتا۔ تاہم مَیں اس دفعہ اپنی جماعت کے لوگوں کو خاص طور پر ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جس کی طرف خدا کے مامورین اور انبیاء اور ان کے خلفاء اور اولیاء توجہ دلاتے چلے آئے ہیں۔ اور وہ بات دُعا ہے۔ اس زمانہ میں جیسا کہ مَیں نے پچھلے خطبوں میں بتایا تھا خطرناک تغیرات ہورہے ہیں۔ مسیح موعود کے متعلق جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا (الزلزال: ۴) کہ اس وقت انسان کہے گا کہ ہوکیا گیا۔ وہی آج حال ہے۔ پہلے بھی دُنیا پر مصیبتیں پڑتی تھیں۔ اور جب مصیبت آتی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مصیبت آئی ہے۔ قحط آتے۔ تو لوگ کہتے تھے کہ ایک مصیبت ہے۔ وبا پڑتی۔ تو وہ اس کو بھی مصیبت سمجھتے تھے۔ مگر اس زمانہ میں اس طرح ابتلاؤں کے دروازے کُھلے ہیں کہ انسان کہہ نہیں سکتا کہ کیا مصیبت ہے جس طرح انعامات بے شمار ہیں۔ اسی طرح آجکل مصائب بھی بے شمار ہیں۔ اور یہ بتانا مشکل ہے کہ دُنیا کن کن عذابوں میں گھری ہوئی ہے۔

جو لوگ دُنیا کے اخبار پڑھتے ہیں اور حالات سے واقف ہیں وہ بھی نہیں بتاسکتے کہ کیا تغیرات ہونے والے ہیں۔ اگر کوئی بتلانے کی کوشش کرے بھی۔ تو اس کی بات معقول نہیں ہوگی۔ بلکہ اونگی بونگی بات ہوگی۔ پس یہ وہی نقشہ ہے۔ جو مسیح موعود کے زمانہ کا قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس وقت انسان کہے گا۔ اب کیا ہوگیا۔

اِن ابتلاؤں میں جن میں دُنیا مبتلا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

مگر تاہم چونکہ ہم اسی دُنیا میں رہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی کئی باتوں میں ان کا شریک ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً وبائیں ہیں قحط ہیں۔ ان ابتلاؤں میں ایک حد تک ہمیں بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔ قحط ہے۔ اس میں احمدی جماعت بھی مُبتلا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ الٰہی جماعتوں کو ایسے ابتلاؤں سے بالکل محفوظ رکھا جائے کیونکہ یہ خدا کی مصلحتوں کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر ایسے ابتلاؤں میں ایک خاص فرق ہوتا ہے جو الٰہی جماعت کے لوگوں اور غیروں میں ہوتا ہے کہ غیروں میں اضطراب ہوتا ہے۔ مگر ان ابتلاؤں میں الٰہی سلسلہ کے لوگوں کو ایک اطمینان اور تقویت ملتی ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوتا کہ ان لوگوں کے لیے آسمان سے غلہ اُترنے لگے۔ مثلاً عرب میں قحط پڑا۔ صحابہ کو بھی اس قحط میں سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ مگر ان کے دل قوی تھے۔ وہ ان ابتلاؤں کو خدا کے لیے برداشت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے، کہ یہ ابتلاء خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیے نشان کے طور پر نازل ہوتے ہیں۔ پس سچی جماعتیں اپنے رنگ میں ان باتوں سے بھی فائدہ اُٹھا لیتی ہیں۔

مگر چونکہ یہ موقع تاریکی کا ہوتا ہے اور جو دیکھ کر نہیں چلتا۔ وہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ اس لیے ایسے خطرات کے زمانہ میں ضروری ہے کہ دُعا سے کام لیا جائے۔ ایسے وقت میں ایک مومن۔ مومن بھی وہ جو قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ اور قرآن بھی وہ جو الحمد سے شروع ہوتا ہے۔ اسکی مثال تو اس بچہ کی سی ہے جس کی ماں اس کے پاس بیٹھی ہو۔ اس کو کیوں اضطراب ہونے لگا۔ مصیبت تو اس کے لیے کمر شکن ہوتی ہے جس کو یقین ہو کہ کوئی اس کی مصیبت دُور نہیں کر سکتا اور اس کا مددگار نہیں ہے۔ مگر ایک مصیبت راحت ہو جاتی ہے۔ اور وہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے جس کے متعلق یہ جانتے ہوں کہ ہمیں سہارا دینے والا اور ہماری اس آفت میں کام آنے والا ہے۔

پس الحمد للہ کہنے والے کے لیے کوئی مصیبت نہیں۔ خواہ وہ مالی ہو یا جانی۔ یا حکومت کی ہو یا رعایا کی۔ اندر کی ہو یا باہر کی۔ کیونکہ وہ یقین کرتا ہے کہ اس مصیبت اس ابتلاء اس دُکھ کے دُور کرنیوالا ایک خُدا ہے جس کی ذرہ ذرہ پر حکومت ہے۔ مصیبت بھیجنا۔ ابتلاء نازل کرنا۔ انعام بخشنا۔ یہ سب اس کے قبضہ میں ہیں۔ پس الحمد للہ کہنے والے کے لیے کوئی مصیبت نہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے لیے دروازہ کھُلا ہے جس میں سے وہ نکل سکتا ہے۔ مگر کافروں کے لیے دروازہ بند ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کے لیے یہ دروازے نہیں ہیں۔ مگر وہ ان کو اپنے پر خود بند کر لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں سب سامان خدا نے رکھے ہیں۔ مگر جو ان کی تحقیق اور تلاش کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔ دوسرے ان سے محروم رہتے ہیں۔ مثلاً کونین جو انگریزی علاجوں میں

سب سے کامیاب علاج ثابت ہوا ہے۔ اور جس سے لاکھوں جانیں بچتی ہیں اور اب تک بچی ہیں پہلے سے دُنیا میں موجود تھی۔ مگر دُنیا اس سے غافل اور بے خبر تھی۔ اسی طرح خدا کے فضل کے دروازے کھلتے ہیں۔ مگر لوگ اس طرف پیٹھ کر لیتے ہیں۔ خدا نے اس زمانہ میں مسیح موعود کے رنگ میں اپنا فضل عظیم ظاہر فرمایا ہے۔ اور اس شکل میں اپنے انعام کا دروازہ کھولا ہے۔ مگر اس دروازے کی طرف احمدیوں نے قدم بڑھایا۔ اور دوسروں نے اس کی ہتک کی۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ احمدیوں میں بھی ایسے ہیں۔ جنہوں نے اس انعام کو قبول تو کیا۔ مگر اس کی پوری پوری قدر نہ کی اور پورا فائدہ نہ اُٹھایا۔ اور بہت ہی کم ہیں جو دُعاؤں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ دُعا ایک ہتھیار ہے۔ جو ہر ایک مصیبت کو راستہ سے ہٹا دیتا ہے۔ بعض لوگ رسماً کہدیتے ہیں کہ میرے لیے دُعا کرو۔ مگر وہ دعا کی حقیقی قوت سے غافل ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں مانگنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جو اللہ کا محتاج نہیں۔ غنی تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

پس یاد رکھو کہ انسان محتاج ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں اس کی عقل کمزور ہے۔ اور اتنی کمزور ہے کہ اسے اپنی احتیاج کا بھی علم نہیں۔ پس کوئی انسان نہیں جس کو خدا کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر اپنے لیے نہیں۔ تو جماعت کی ترقی کے لیے اور ان بھائیوں کے لیے جو دین کی خدمتوں کے لیے وطنوں سے باہر ہیں۔ دُعائیں کرو۔ خدا تعالیٰ تمہارے کام بھی درست کریگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گُر سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے اور ہماری توجہ کو اپنی طرف پھیر لے۔ وہی ہمارا سہارا ہو۔ ہمارے دل اس سے راضی ہوں اور اس کی رضا ہمارے ساتھ ہو۔ آمین ۞

(الفضل ۱۲ ر فروری ۱۹۲۰ء)